بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اس امت کا ایک بیش قیمت ترین ورثہ ہیں، جس کی حسب استطاعت حفاظت ہم سب کا اولین فریضہ ہے۔ اور غور کیجئے تو اس امت مرحومہ کا سرمایۂ حیات کیا ہے، سوائے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی احادیث کے؟ ان میں سے اللہ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا تو خود ذمہ اٹھایا ہے۔ اور اللہ کا یہ وعدہ جس طرح پورا ہوا وہ اسلام کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ لیکن احادیث رسول اللہ کی حفاظت کا کام ہم سب امتیوں کے سپرد رہا ہے۔ ہم نے اسلام کی طویل تاریخ کے مختلف ادوار میں اسی امانت کے تحفظ و صیانت کے لئے مختلف طریقوں سے اور مختلف سطحوں پر کام کیا ہے۔ کبھی ہم نے اس میں نمایاں فتوحات حاصل کیں اور کبھی ہم نے سخت شکستیں کھائیں۔ کبھی ہم نے اس کی طرف وہ توجہ دی جس کا یہ عظیم سرمایہ مستحق ہے اور کبھی ہم نے اس سے وہ غفلت برتی جو ہمارے دعویٔ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل منافی تھی۔ کبھی ہم نے اس کے ساتھ نادان دوستی برت کر اس میں سچ اورجھوٹ کی تلبیس کی راہ ہموار کی اور کبھی کھلی عداوت کا ثبوت دیتے ہوئے

صریح جھوٹ کی اس میں آمیزش کی۔ شرمناک بات یہ ہے کہ تاریخ اسلام کے شروع کے ادوار ہی میں مسلمان کہلانے والے بعض گروھوں نے اپنے سیاسی — اور ستم تو یہ ہے کہ بعض صورتوں میں " دینی " — اغراض کی خاطر اس میں افتراء و بہتان کی آمیزش کی وہ منظم کوششیں کیں کہ الامان و الحفیظ۔

لیکن جہاں ایک طرف حدیثیں وضع کرنے والے گروہ مصروف عمل تھے، وھاں ائمہ حدیث کھوٹے اور کھرے کی پہچان کے لئے بہترین خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ اس وقت محدثوں کے سامنے سب سے اہم مسئلہ حدیث کے راویوں کے معتبر یا غیر معتبر ھونے کا اور ان لوگوں کو جو اپنے اغراض فاسدہ کےلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء باندھنے سے باز نہیں آرہے تھے، سچے راویوں سے الگ کرنے کا تھا۔ چنانچہ ان محدثوں نے روایت اور اسناد کے علوم مدون کئے اور ان کی کسوٹی پر پرکھ کر احادیث کے صحیح یا غیر صحیح، قوی یا ضعیف وغیرہ ھونے کے اصول بنائے اور احادیث کے راویوں کی جرح و تعدیل یعنی تنقید کے لئے رجال کے عظیم الشان فن کی بنیاد رکھی۔ جس میں ایک لاکھ سے اوپر حضرات کی مختصر سوانح عمریاں منضبط کی گئیں۔ فی الحقیقت علم الرجال مسلمانوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے محبت کا سب سے شاندار ثبوت ہے۔ یہ ایک ایسا علم ہے جس کی نظیر دنیا میں مفقود ہے۔ اس پر ھم جس قدر ناز کریں بجا ہے۔

علم الرجال کے ذریعہ یہ متعین کیا جاسکتا ہے کہ اولاً، کسی حدیث کا کوئی راوی معتبر ہے یا نہیں۔ ثانیاً، جس راوی سے اس نے روایت کی ہے اور جس کو روایت کی ہے، ان دونوں سے اس کا ملنا ثابت ہے یا نہیں۔ کسی روایت کے جانچنے کے ابتدائی اصول کے لحاظ سے یہ معلومات یقیناً بہت ھی قیمتی ثابت ھوسکتی ھیں۔ اگر کسی خبر کا راوی غیر معتبر ہے یا جس سے وہ یہ خبر روایت کررھا ہے، اس سے اس کے ملنے کا قرینہ موجود نہیں، تو ھم بہ آسانی اس خبر کو رد کرسکتے ھیں۔ روایت کے یہ اور ایسے ھی دوسرے اصول

بہت مفید ھیں اور جس زمانے میں یہ روایتیں جمع ھورھی تھیں، ان پر عمل کرنا وقت کی اولین ضرورت تھی۔ چنانچہ ائمۂ حدیث نے ایسا ھی کیا اور ان اصول کی بنا پر احادیث کے سیل بے پناہ پر بند باندھا۔ لکھو کھا احادیث میں سے انتخاب کرکے نسبتاً زیادہ قابل اعتبار احادیث کے مجموعے مرتب کئے۔ ان مجموعوں میں جن کو زیادہ قبول عام حاصل ھوا، وہ صحاح ستہ کے نام سے مشہور و معروف ھیں۔

روایت کے یہ اصول جن پر صحاح ستہ کی احادیث کی صحت مبنی ھے، اپنی جگہ کتنے ھی مفید کیوں نہ ھوں، لیکن یہ خود مکتفی ھرگز نہیں ھوسکتے۔ اگر یہ معقول حد تک یقین کے ساتھ معلوم ھوجائے کہ کسی فعل یا قول کا راوی معتبر اورقوی الحافظہ ھے اورجن اصحاب سے وہ یہ فعل یا قول نقل کررھا ھے، ان سے اس کا ملنا بھی ثابت ھو۔ تاھم ان کےمحض ملنے کے امکان سے اس فعل یا قول کے صحیح نقل ھونے کا ثبوت نہیں فراھم ھوسکتا۔ اولاً، یہ عین ممکن ھے کہ دو راوی ایک دوسرے سے ملے ھوں، لیکن اس سے یہ کیسے لازم آتا ھے کہ اس ملاقات میں ایک دوسرے سے کوئی فعل یا قول روایت کیا ھو؟ ھمارا علم الرجال اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ھے۔ لیکن اس میں علم الرجال کا قصور ھرگز نہیں۔ اسکا احاطہ کرنا انسانی اختیار کی حد سے باھر تھا۔ ماھرین علم الرجال نے جو کچھ کر دکھایا ھے، وہ خود ما فوق العادت ھے لیکن ان سے ما فوق الامکان کی توقع رکھنا درست نہیں۔ ثانیاً، اگر ایک راوی نے دوسرے راوی سے فعل یا قول فی الواقع روایت کیا بھی ھو تو اس روایت کے پوری صحت کے ساتھ نقل ھونے کی کیا ضمانت ھے؟ ھم سب کا روزمرہ کا مشاھدہ ھے کہ ایک واقعہ کو یا ایک قول یا تقریر کو متعدد معتبر اور قوی حافظہ والے اصحاب دیکھتے اور سنتے ھیں لیکن جب وہ اسکو دوسرے سے بیان کرتے ھیں تو اس میں نمایاں فرق آجاتا ھے۔ یہ سب عینی شاھد و سامع ھوتے ھیں۔ ان کے معتبر ھونے اور ان کے حافظے کے قوی ھونے کے بھی معقول وجوہ ھوتے ھیں۔ لیکن اسکے باوجود ان کے بیانات ایک دوسرے سے مختلف بلکہ کبھی معارض بھی ھوتے ھیں۔ علم الرجال یا فن روایت اس سوال کے جواب

سے بھی قاصر ہے - بلکہ یہ تو اسکے دائرے سے ہی خارج ہے۔ کیونکہ یہ سوال شہادت کا نہیں بلکہ قرائن کا ہے - روایت کا نہیں بلکہ درایت کا ہے -

واقعات و اقوال کے صحت بیان کے جانچنے کے یہی دو اصول ہیں : شہادت یا روایت اور قرائن یا درایت - یہ دونوں اصول لازمی ہیں - ان میں سے اول الذکر کو اولیت حاصل ہے، لیکن صرف بہ اعتبار ترتیب نہ کہ بہ اعتبار مرتبہ ، گرچہ بعض مواقع ایسے بھی آسکتے ہیں کہ بادی النظر میں قرائن ایسے موجود ہوں کہ شہادت یا روایت کے اصول پر جانچنے کی نوبت ہی نہ آئے، لیکن درایت یا قرائن کے اصول سے قطع نظر کسی حال میں نہیں کرسکتے۔ چنانچہ روایت کے ساتھ درایت کے اصول بھی ہمارے اسلاف کے پیش نظر یقیناً تھے، لیکن محض مجملاً - یہ بات تعجب کی نہیں ہے کہ ان میں سے جو فہم و بصیرت میں دوسروں سے آگے تھے انہیں عموماً درایت کے اصول پر زیادہ اصرار تھا - اس کی نمایاں مثال حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ہے کہ وہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ و سلم کے معاملے میں حضرت ابو ہریرہ رض جیسے کثیرالروایت صحابیوں کے مقابلے میں روایت سے کہیں زیادہ درایت کے اصول کے پابند تھے۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل رح اور سفیان ثوری رح وغیرہ کے مقابلے میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا حال ہے - اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرون اولیٰ میں روایت اور درایت کے اصول کی تثبیت و تاکید میں اس تفاوت کے لحاظ سے ائمہ متقدمین کے دو مستقل گروہ ہو گئے تھے جو (بالترتیب) اصحاب‌الحدیث اور اصحاب‌الرائے کہلائے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رح مؤخرالذکر گروہ کے ممتاز ترین فرد تھے - لیکن ان اصطلاحوں سے عموماً دھوکا یہ ہوا ہے کہ اصحاب‌الرائے حدیث رسول‌اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی حجیت کے تسلیم کرنے میں اصحاب‌الحدیث سے کسی طرح کم تھے۔ حالانکہ یہ بات راہ صواب سے بہت دور ہے - واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں گروہوں کو اصحاب‌الروایت اور اصحاب‌الدرایت کہا جائے تو زیادہ صحیح ہے -

به این همه حدیث کی تدوین و تنقید کا کام بیشتر اصحاب‌الحدیث (یعنی اصحاب‌الروایه) کے هاتھوں میں رها ۔ اصحاب الرائے (اصحاب‌الروایه) میں سے امام ابو یوسف رح اور امام محمدالشیبانی رح جیسے ائمه نے اس طرف توجه ضرور دی ۔ لیکن اس سلسلے میں ان کی مساعی کو قبول عام نصیب نهیں هوا اور واقعه یه هے که یه محرومی هرگز بے سبب نه تھی۔ حدیث کی تدوین و تنقید کے کام پر ”اصحاب‌الحدیث“ کہلانے والے بزرگوں کے چھا جانے سے ذخیرهٔ احادیث کے متن سے کہیں زیاده ان کے اسناد پر اور درایت سے کہیں زیاده روایت پر توجه صرف کی گئی۔

صحاح سته کے مدون هوجانے کے بعد، اغلب هے که اس کمی کو محسوس کرتے هوئے طبقات متوسطین میں سے ابوبکر خطیب بغدادی (م ۴۶۳ ه) اور ابن الجوزی (م ۵۹۷ ه) جیسے محدثوں نے اور متاخرین میں سے ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ ه)، سیوطی (۹۱۱ ه) ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ ه) وغیره نے اپنی تصنیفات میں درایت کے اصول پر متن حدیث کی تنقید کے لئے بہت مفید اشارے دئے هیں۔ ان میں سے ابن‌الجوزی اور ملا علی قاری کی هدایات جو نسبتاً زیاده مفصل اور واضح هیں علامه شبلی نعمانی نے اپنی کلاسیکی شهرت رکھنے والی تصنیف ”سیرة النبی“ کے مقدمے میں نقل کی هیں ۔ هم ان کی کتاب کا یه اقتباس ”انتخاب“ کے عنوان سے شایع کر رهے هیں ۔ اگر سطور مندرجه بالا میں بتائے هوئے اشارات کے مطابق محدثین سلف کی اصول حدیث (مصطلح الحدیث) کی تصنیفات کا استقصا کیا جائے تو علامه شبلی کے پیش کرده اقتباسات پر معتدبه اضافه ضرور کیا جاسکتا هے ۔ تاهم ان تمام کا مقابله اس عظیم و وسیع ادب سے کیا جائے جو روایت کے اصول اور رجال و اسانید کی تنقید کے سلسلے میں قدما سے لے کر متاخرین تک محدثوں نے تصنیف کر ڈالا هے تو یه حقیقت واضح هوجائے گی که حدیث رسول‌الله صلی الله علیه و سلم کی حفاظت کے لئے روایت کے اصول پر جس قدر توجه دی گئی به مشکل اس کا خفیف ترین جزو درایت کے اصول کے حصے میں آیا هے ۔

مسلمانوں کے علمی زوال نے درایت کے اصول پر احادیث کی نقد و حفاظت کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا - اس علمی زوال کا بڑا سبب سیاسی ادبار نہ تھا بلکہ وہ ناقص نظام تعلیم تھا جس کا فکر انگیز تجزیہ ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب نے اپنے اس پر مغز مقالے میں کیا ہے جو اس شمارے کی زینت ہے - اس نظام تعلیم سے یہ توقع ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ وہ درایت کے اصول پر حدیث کے حفظ و نقد کے ادھورے کام کو سر انجام دے سکتا - اس کا اثر تو اس کے برعکس یہ ہوا کہ روایت کے اصول کے تتبع نے آگے چل کر روایت پرستی کی شکل اختیار کر لی -

یہ ضرور ہے کہ درایت کے اصول پر احادیث کے حفظ و نقد کا کام بے حد دشوار، بہت محنت طلب اور سخت جرات آزما ہے - ابن الجوزی اور دوسرے محدثوں نے متن احادیث پر جرح و نقد کے لئے جو اشارات دئیے ہیں، ان کی رہنمائی میں اصول درایت کو شرح و بسط سے قائم کرنا اور پھر ان کی بنیاد پر صحاح ستہ اور دیگر مجموعہ ہائے احادیث کا جائزہ لینا جوئے شیر لانا ہے - ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب نے اپنے مقالات میں جو اس ماہنامہ میں شایع ہوتے رہے ہیں ، درایت کے اصول پر احادیث کے حفظ و نقد کے اس دشوار کام کے لئے چند راہیں سجھائی ہیں - ان کی یہ کوشش بعض لحاظ سے اپنی قسم کی پہلی کوشش ہے ، اس لئے اس میں خامیوں کا رہ جانا مستبعد نہیں - ان کا ازالہ علمی سطح پر تبادلۂ خیالات سے ہی ہوسکتا ہے -

کیا ذات رسالت مآب سے محبت و شیفتگی کا یہ تقاضا نہیں کہ آپ کی طرف منسوب احادیث کے بارے میں ہمارے علمائے حدیث قدمائے محدثین کی کوششوں پر قناعت نہ کر بیٹھیں بلکہ خود محنت کریں اور درایت کے اصول سے کام لیتے ہوئے یہ معلوم کریں کہ ان کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی طرف فی الواقع صحیح ہے یا نہیں ؟ فھل من مدکر